# ادبیات

## سازِ بیخودی

از جناب سیفی ندوی صاحب

اُٹھے تلاش میں اس کی تو یہ ہوا معلوم
کہ ذرہ ذرۂ ہستی کو تھا پتا معلوم

بُھلا رہا ہوں جنوں میں اُسے جو تھا معلوم
کہ ہر ستم ترا ہونے لگے نیا معلوم

اب انقلابِ بہار اس کو کیا چھپائے گا
ہر ایک پھول کو جو راز ہو چکا معلوم

کہاں سے لاؤں غمِ انتظار کی طاقت
حسابِ عمر کروں بھی تو انتہا معلوم

فریب میں رہے دانائیوں کے ہم، اب تک
ہوا بھی علم تو کیا جانے کیا ہوا معلوم

جب اپنے ہوش پہ چھائی ہوئی ہو مستیِ عشق
پھر ایسے حال میں تکمیلِ التجا معلوم

کہاں میں! اور کہاں رازِ عشق و مستوری؟
یہ سب خلوصِ وفا ہے جو کچھ ہوا معلوم

نہ پوچھو گردشِ ایام سے مری پرواز
میں کس مقام پہ ہوں، یہ کسی کو کیا معلوم؟

ابھی سے ہیں یہ ستم آفرینیاں دل کی
یہ ابتدا ہے تو آشوبِ انتہا معلوم

مرے سوال کی پیچیدگی، معاذ اللہ
ہر ایک ذرہ یہ کہتا ہے مجھکو کیا معلوم؟

نیاز اصل میں یہ ہے کہ پھر نیاز نہ ہو
جو بندہ ہو وہی ہونے لگے خدا معلوم

نگاہِ عشق کی کوتاہیاں، خدا رکھے
فروغِ حُسن کا ہر راز ہو گیا معلوم

جہانِ دل عجب آشوبگاہ ہے سیفی
یہاں سزا کی خبر ہے نہ کچھ خطا معلوم